نواب الٰہی بخش خاں معروف

از محترمہ حمیدہ سلطانہ

معروف کے مورثِ اعلیٰ بلخ سے ہندوستان آئے تھے اس کی حقیقت یہ ہے کہ بخارا میں خواجہ عبدالرحمٰن لیسوی ایک رئیس عالی خاندان خواجہ احمد لیسوی کی اولاد میں تھے۔ اتفاقِ زمانہ سے وطن چھوڑ کر بلخ میں آئے اور یہیں اقامت اختیار کی۔ خدا نے تین فرزندِ رشید عطا کئے، قاسم جان، عارف جان، عالم جان، ان جوانوں کی ہمت نے گھر میں بیٹھنا گوارا نہ کیا۔ ایک جمعیت سوار و پیادہ ترکانِ ازبک کی لیکر ہندوستان آئے۔ پنجاب میں معین الملک عرف میر منّو خلف نواب قمرالدین خان وزیر محمد شاہ حاکم تھے۔ انھوں نے ان رئیس زادوں کو اپنی رفاقت میں لیا۔ خاک پنجاب میں سکھوں کا زور تھا انھوں نے اپنی ہمت کے گھوڑے دوڑا کر ناموری حاصل کی۔ تھوڑے عرصہ بعد میر منو کا انتقال ہوگیا۔ اب انھوں نے دربار کا رُخ کیا۔ اس وقت شاہ عالم میرن کے مقابلے پر بنگالے میں فوج لئے پڑے تھے یہ بھی وہیں پہنچے اور قاسم جان نے اپنی بہادری سے شاہ عالم کو خوش کرکے نواب شرف الدولہ سہراب جنگ کا خطاب پایا اور ہفت ہزاری کا منصب ملا۔ بادشاہ کے ہمراہ تینوں بھائی دہلی آئے اور یہیں سکونت اختیار کی۔ بلیماروں کے محلے میں قاسم جان کی گلی انھیں قاسم جان سے منسوب ہے۔ اب بھی ان کے خاندان کے افراد اسی گلی میں سکونت رکھتے ہیں۔ نواب قاسم جان تو اکثر لڑائیوں پر رہتے تھے۔ چھوٹے بھائی عارف جان دیہات اور جاگیر وغیرہ کا انتظام کرتے تھے۔ بڑے بھائی نے تین لڑکے چھوڑے اور چھوٹے بھائی عارف جان نے چار بیٹے چھوڑے، نبی بخش خان، الٰہی بخش خان، احمد بخش خاں، محمد علی خاں۔ نواب احمد بخش خاں نواب

عارف کے تیسرے فرزند ارجمند ہونہار و بہادر تھے۔ اقبال کا ستارہ اوج پر چمکا یہ ریاست الور میں راؤ راجہ بختاور سنگھ کی سرکار میں ملازم تھے، اپنے راجہ کی جانب سے وکیل و معتمد ہو کر لارڈ لیک کے ساتھ ہندوستان کی مہمات میں شامل رہے اور اپنا ایک ذاتی رسالہ رکھکر گورنمنٹ کی خدمات انجام دیتے رہے۔ اسی صلہ میں جھرکہ فیروزپور کی ریاست گورنمنٹ سے پائی اور مہاراج نے لوہارو کا پرگنہ عطا کیا۔

دربار شاہی سے فخر الدولہ دلاور الملک رستم جنگ کا خطاب ریزیڈنٹ کے توسط سے عطا ہوا۔ (یہ خطاب اب بھی نوابانِ لوہارو کو سرکار سے دیا جاتا ہے۔

نواب الٰہی بخش خاں معروف شیتنی امیر زادے تھے، ناز و نعم میں پرورش پائی جاہ و حشم میں آنکھ کھولی لیکن طبیعت فقر دوست پائی، اوائل عمری سے ان کا دل دنیا سے اُچاٹ ہو گیا تھا عمر کے ساتھ ساتھ یہ بیزاری بڑھتی گئی۔ عالم پیری میں وہ بالکل درویش بن گئے تھے۔ ہر وقت اللہ اللہ کرتے رہتے تھے لیکن شعر کہنے کا مشغلہ ساری عمر رہا۔ کسی خاص رنگ سے کوئی تعلق نہ تھا طبیعت پر قادر تھے اور ہر رنگ میں آسانی سے شعر کہتے تھے۔ ہر ایک کے طرز کو اپنا بنا لینے میں ان کو یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ کبھی جرأت کے رنگ میں شعر کہتے تو کبھی سودا کے رنگ میں کبھی میر کے انداز میں، لیکن آخر عمر کا تمام و کمال کلام خواجہ میر درد کے رنگ میں ہے۔

کشف و کرامات | نواب معروف کے تقدس و زہد کے تمام دہلی والے قائل تھے، بہت سے ارادتمند مرید تھے، اکثر اہلِ حاجت کی مرادیں آپ کی دعا سے پوری ہوتی تھیں۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ جو معروف نے زبان سے کہہ دیا وہ پورا ہو گیا۔ نواب احمد بخش خاں جو رئیس تھے اکثر اپنے بزرگ بھائی کے سامنے اپنی مشکلات آ کر بیان کرتے تھے۔

ایک مرتبہ نواب موصوف آئے لیکن افسردگی چہرے سے عیاں تھی۔ معروف سمجھ گئے کہ کوئی خاص بات ہے جو یہ یوں افسردہ خاطر ہیں۔ دریافت کیا آج کیا کچھ خفا ہو؟ کہا نہیں حضرت فیروزپور جاتا ہوں۔ پوچھا کیوں؟ کہا کہ صاحب ریزیڈنٹ نے حکم دیا ہے کہ جس کو ملنا ہو بدھ کو ملاقات کرے۔ حضرت آپ جانتے ہیں کہ

مجھے ہفتے میں دس دفعہ کام پڑتا ہے۔ جب جی چاہا گیا جو ضرورت ہوئی کہہ سن آیا مجھ سے یہ پابندیاں نہیں اُٹھتیں میں یہاں اس لئے رہنا نہیں چاہتا۔ فرمایا تم سے کہا ہے؟ جواب دیا مجھ سے تو نہیں کہا، سنا ہے بعض رؤسا گئے تھے اُن سے ملاقات نہ کی، کہلا بھیجا بدھ کو ملئے۔ فرمایا یہ قاعدہ تمہارے واسطے نہیں اوروں کے واسطے ہوگا، نواب موصوف نے کہا حضرت یہ اہل فرنگ ہیں ان کا قانون عام ہوتا ہے فرمایا بھلا جاؤ تو دیکھو تو کیا ہوتا ہے۔ انھوں نے کہا بہت خوب جاؤں گا۔ فرمایا نہیں ابھی جاؤ۔ نواب موصوف نے کہا میں نے عرض کیا کہ جاؤں گا۔ بگڑ کر بولے، عرض ورض نہیں ابھی جاؤ اور سیدھے وہیں جاؤ۔

نواب موصوف بزرگ بھائی کے اس انداز برہمی کو دیکھ کر خاموش ہوگئے اور اٹھ کر چلے۔ معروف نے پھر کہا دیکھو وہیں جانا اور مجھے پریشان تو کیا ہے پھرتے ہوئے اِدھر آنا۔ چند گھنٹے بعد نواب موصوف واپس آئے، لبوں پر تبسم تھا سلام کیا اور بیٹھ گئے۔ انھوں نے دیکھتے ہی کہا کیوں صاحب؟ نواب بولے گیا تھا وہ اطلاع پاتے ہی خود ہی نکل آئے اور پوچھا ہیں! نواب صاحب اس وقت خلاف عادت؟ میں نے کہا میں نے سنا ہے کہ آپ نے حکم دیا ہے صرف بدھ کو ملاقات ہوگی وہ بولے نہیں نواب صاحب یہ حکم آپ کے لئے نہیں ان لوگوں کے لئے ہے جو موقعہ بموقعہ آکر ستاتے ہیں۔

ظرافت لیکن اس تقدس وبزرگی سنجیدگی اور متانت کے ساتھ ظرافت بھی نواب معروف کے مزاج میں تھی۔ استاد ذوق فرماتے ہیں ایک دن میں آپ کی خدمت میں حاضر تھا۔ نواب احمد بخش خاں تشریف لائے آداب ومزاج پرسی کے بعد باتوں باتوں میں کہنے لگے فلاں انگریز کی ضیافت کی اتنا روپیہ اٹھا فلاں گھوڑ دوڑ میں یہ صرف ہوا، فلاں صاحب کو اصطبل کی سیر کرانے کی وجہ سے کاٹھیاواڑی گھوڑوں کی ایک جوڑی نذر کی، لوگ اس طرح کا بوجھ اٹھائیں تو چھاتی تڑق جائے۔

نواب معروف اداشناسی میں کمال رکھتے تھے تاڑ گئے مسکرا کر فرمایا، ہاں تو آپ کی چھاتی میں بھی آ گیا ہوگا۔ نواب احمد بخش خاں جھینپ گئے، تو انھوں نے فرمایا بھائی امیرزادے ہو خاندان کا نام ہے یہی کرتے ہیں

مگر اس طرح کہا نہیں کرتے۔ نواب احمد بخش نے کہا حضرت آپ سے نہ کہوں تو کس سے کہوں۔ فرمایا خدا سے کہو وہ بولے مجھے آپ دکھائی دیتے ہیں آپ خدا سے کہئے۔ فرمایا اچھا ہم تم ملکر کہیں۔ تم کو بھی کہنا چاہیے۔

سخاوت | نواب معروف بہت سخی امیر تھے۔ کوئی سوداگر ایسا نہ تھا جو دہلی آئے اور ان کے در دولت پر نہ جائے چنانچہ مولانا آزاد آبِ حیات میں لکھتے ہیں کہ استاد ذوق فرماتے تھے میں ایک دن ان کی خدمت میں حاضر تھا ایک سوداگر آیا اپنی چیزیں دکھانے لگا۔ ان چیزوں میں ایک اصفہانی تلوار بھی تھی وہ پسند آئی، دم خم آبداری اور جوہر دیکھکر تعریف کی اور میری طرف دیکھکر کہا ع۔ اس ضعیفی میں یہانتک شوق ہے تلوار سے۔

میں نے فوراً عرض کیا ؎

سر لگا دیں ابروئے خمدار کی قیمت میں آج | اس ضعیفی میں یہانتک شوق ہے تلوار سے

خیر اور چیزوں کے ساتھ وہ تلوار بھی لیلی میں حیران ہوا کہ یہ تو ان حالات و معاملات سے کچھ تعلق نہیں رکھتے تلوار کیا کریں گے۔ دو تین روز بعد فریزر صاحب ریزیڈنٹ بہادر، ایک اور صاحب کو اپنے ساتھ لے کر نواب احمد بخش خاں کی ملاقات کو آئے۔ وہاں سے ان کے پاس آئے، بیٹھے باتیں ہوتی رہیں، جو صاحب ساتھ آئے تھے ان سے ملاقات کرائی۔ جب صاحب کے ہمراہی چلنے لگے تو انھوں نے وہی تلوار منگا کر کمر سے بندھوائی اور کہا ؎

برگِ سبز است تحفۂ درویش | چہ کند بے نوا ہمی دارد

ان کے ساتھ میم صاحبہ بھی تھیں ایک آرگن باجا بہت قیمتی ان کو دیا۔

اندازِ سخاوت | ذوق مرحوم فرماتے ہیں آٹھویں دسویں روز فرماتے میاں ابراہیم ذرا ہماری جانماز کے نیچے دیکھنا، جب میں دیکھتا پڑیا میں روپے بندھے ہوئے ملتے آپ مسکرا کر فرماتے خدا دیوے تو بندہ کیوں نہ لیوے۔ اس میں لطیفہ یہ تھا کہ ہم کس قابل ہیں جو کچھ دیں ہم جس سے مانگتے ہیں یہ وہی تم کو دیتا ہے۔

ایک دفعہ استاد ذوق بیمار ہو گئے اور کچھ عرصہ بعد گئے تو کچھ کچھ شکایت باقی تھی اور ضعف تھا فرمایا

حقہ پیا کرو۔ عرض کیا بہت خوب۔ بھلا نواب صاحب خالی حقہ کیسے پلواتے ایک چاندی کی گڑگڑی چلم اور چنبل مغرق نیچہ اور مرصع منہال تیار کراکر سامنے رکھدیا۔

ایک مرتبہ استاد ذوق اپنے لڑکے محمد اسماعیل کو ہمراہ لیگئے۔ جب رخصت ہونے لگے تو ایک چھوٹا سا ٹانگن زین سے کسا ہوا منگایا اس پر سوار کرکے رخصت کیا۔ کسی کھانے کو جی چاہتا تو آپ نہ کھاتے بہت سا پکوا کر مساکین کو تقسیم کرادیتے۔

نواب الٰہی بخش خاں معروف استاد ذوق کے شاگرد بھی تھے

مولانا آزاد نے آبِ حیات میں لکھا ہے کہ معروف استاد ذوق کے شاگرد ہوئے تھے۔ لیکن نواب سعید الدین احمد خاں طالب خلف نواب ضیاء الدین احمد خاں نیر رخشاں دیوانِ معروف کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ یہ قطعاً غلط ہے۔ اور یہ کہ آزاد نے اپنے استاد کا مرتبہ بڑھانے کیلئے یہ لکھدیا ہے۔ ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ معروف مرحوم جن کی عمر اس وقت ساٹھ کے لگ بھگ تھی استاد ذوق سے جو انیس بیس سالہ ناتجربہ کار نومشق شاعر تھے اصلاح لیتے۔ بہرحال آبِ حیات میں مولانا آزاد یہ فرماتے ہیں۔

> نواب الٰہی بخش خاں معروف جو ایک عالی خاندان امیر تھے علوم ضروری سے باخبر اور کہنہ مشق شاعر تھے اسلئے جہاں متاعِ نیک دیکھتے تھے نہ چھوڑتے تھے زمانہ کی درازی نے سات شاعروں کی نظر سے انکا کلام گذرانا تھا چنانچہ ابتدا میں شاہ نصیر سے اصلاح لیتے رہے اور پھر اسد علیخاں غمگین وغیرہ وغیرہ سے مشورہ ہوتا رہا۔ جب شیخ مرحوم کا شہرہ ہوا تو انھیں بھی اشتیاق ہوا یہ موقعہ وہ تھا کہ نواب مرحوم نے اہلِ فقر کی صحبت و برکت سے ترکِ دنیا کرکے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا تھا چنانچہ استاد مرحوم فرماتے تھے کہ میری عمر انیس بیس برس کی تھی۔ گھر کے قریب ایک قدیمی مسجد تھی ظہر کی نماز کے بعد وہاں بیٹھکر وظیفہ پڑھ رہا تھا ایک چوبدار آیا اور اس نے سلام کیا اور کچھ چیز رومال میں لپٹی ہوئی میرے سامنے رکھکر بیٹھ گیا وظیفے سے فارغ ہوکر میں نے اُسے دیکھا تو اس میں ایک خوشۂ انگور تھا۔ ساتھ ہی

چوبدار نے کہا "نواب صاحب نے دعائے خیر فرمائی ہے تبرک بھیجا ہے اور فرمایا کہ آپ کا کلام تو پہنچا ہی مگر آپ کی زبان سے سننے کو جی چاہتا ہے"۔ شیخ مرحوم نے وعدہ کیا اور تیسرے دن تشریف لیگئے وہ بہت اخلاق سے ملے اور بعد گفتگوئے معمولی کے شعر کی فرمائش کی انھوں نے ایک غزل کہنی شروع کی تھی اس کا مطلع پڑھا سنکر بہت خوش ہوئے۔ اور کہا خیر حال تو پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا مگر تمہاری زبان سے سنکر اور لطف آگیا اسی دن سے معمول ہو گیا کہ ہفتے میں دو دن جایا کرتے اور غزل سنایا کرتے تھے۔ چنانچہ دیوان معروف جو اب رائج ہوا وہ تمام و کمال استاد کا اصلاح کیا ہوا ہے۔ نواب مرحوم اگرچہ ضعف پیری کے باعث خود کاوش کر کے مضمون کو لفظوں میں بٹھا نہیں سکتے تھے مگر اس کے حقائق و دقائق کو ایسا پہنچتے تھے کہ برحق ہے۔ اس عالم میں استاد مرحوم کی جوان طبیعت اور ذہن کی کاوش ان کی فرمائش کے نکتے نکتے کا حق ادا کرتی تھی۔ شیخ مرحوم کہا کرتے تھے اگرچہ بڑی کاوشیں اٹھانی پڑیں لیکن ان کی غزل بنانے میں ہم آپ بن گئے"

لیکن بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک کہنہ مشق اور فنِ شعر کے نکات و رموز سے واقف شاعر ایک ناتجربہ کار نومشق جوان سے اصلاح لے۔ مولانا آزاد نے جو واقعہ اپنے استاد شیخ ذوق مرحوم سے منسوب کیا ہے۔ اس میں بھی استاد ذوق کے اپنے شعر سنانے اور معروف مرحوم کی تعریف کا ہی تذکرہ ہے۔ اصلاح دینے کا کہیں ذکر نہیں ہاں یہ ممکن ہے کہ شیخ مرحوم نواب صاحب موصوف کے پاس استفادہ کی غرض سے جاتے ہوں۔ نواب موصوف شاعری کے ایسے کہنہ مشق تھے کہ فانی الشعر کا درجہ حاصل کر لیا تھا، ان کے زہد و تقدس علم و فضل کے باعث ان کے معاصرین ان کا بہت احترام کرتے تھے۔

غالب و معروف | مرزا غالب سے نواب الٰہی بخش خاں معروف کی چھوٹی صاحبزادی بنیادی بیگم صاحبہ منسوب تھیں۔ مرزا کی خوش قسمتی میں کس کو شک ہو سکتا ہے۔ ان کا رشتہ دہلی کے معزز ترین خاندان میں ہوا۔ ان کے خسر نہ صرف امیر تھے بلکہ بڑے پائے کے شاعر بھی تھے۔ ان کی صحبت میں رہ کر مرزا غالب کی وہ بے راہ روی جو اگرچے

میں بھی بہت کچھ کم ہوگئی تھی۔ اور وہ سنبھل گئے تھے۔

مرزا غالب کے متعلق یہ لطیفہ مشہور ہے کہ نواب صاحب موصوف نے جو اکثر عقیدتمندوں کو مرید کرتے تھے مرزا صاحب کو شجرۂ خاندان لکھنے کو دیا۔ مرزا صاحب کی شوخی طبع نے جولانی دکھائی شجرہ لکھتے وقت ایک دو نام چھوڑتے گئے۔ جب نواب صاحب موصوف نے شجرہ دیکھا اس کی وجہ دریافت کی۔ مرزا صاحب اپنے بزرگوار خسر کے سامنے بھی ظرافت سے نہ چوکے۔ دست بستہ ہوکر مؤدبانہ عرض کیا حضرت! ایک دو سیڑھی چھوڑکر چڑھنے والا اُچک کر چڑھ سکتا ہے۔ نواب صاحب بہت برہم ہوئے اور شجرہ چاک کر دیا۔ مرزا غالب نے شکر کیا کہ آئندہ اس زحمت سے نجات ملی۔

معروف کے دو دیوان ہیں دیوان اول شائع ہوچکا ہے لیکن دیوانِ دوم ابھی نہیں چھپا ہے اس دیوان میں غالب کی ایک غزل ملتی ہے۔ جو دیوانِ غالب کے مطبوعہ اور متداول نسخوں میں نہیں ملتی اسکی موجودگی کی وجہ یہ ہے کہ معروف نے اسی پر تضمین کی۔ یہ غزل کس سنہ میں لکھی گئی یہ تعین کرنا مشکل ہے۔ ہم ابھی صرف اسی قدر کہہ سکتے ہیں کہ معروف کے اس دیوان میں ۱۲۳۳ھ کی لکھی ہوئی ایک مثنوی اور ۱۲۳۶ھ کی لکھی ہوئی تسبیح زمرد بھی شامل ہیں۔ قیاس یہ ہے کہ غالب یہ غزل ۱۲۳۶ھ سے پہلے لکھ چکے تھے لیکن یہ دیکھکر حیرت ہوتی ہے کہ ۱۲۳۶ھ کے بعد کئی مرتبہ مرزا کی زندگی میں ان کا دیوان چھپا نہ تو یہ غزل اس میں ملتی ہے۔ اور نہ ان کی زندگی میں لکھے جانے والے قلمی نسخوں میں کہیں اسکا وجود ہے۔ غزل یہ ہے۔

اپنا احوالِ دلِ زار کہوں یا نہ کہوں ہے حیا مانعِ اظہار کہوں یا نہ کہوں
نہیں کرنے کا میں تقریر ادب سے باہر میں بھی ہوں محرمِ اسرار کہوں یا نہ کہوں
شکر سمجھو اسے کوئی یا شکایت سمجھو اپنی ہستی سے ہوں بیزار کہوں یا نہ کہوں
اپنے دل ہی میں احوالِ گرفتاریِ دل جب نہ پاؤں کوئی غمخوار کہوں یا نہ کہوں
دل کے ہاتھوں سے کہ ہے دشمنِ جاں میرا ہوں اک آفت میں گرفتار کہوں یا نہ کہوں

میں تو دیوانہ ہوں اور ایک جہاں ہے غماز گوش ہے درپسِ دیوار کہوں یا نہ کہوں

آپ سے وہ مرا احوال نہ پوچھے تو اسد

حسب حال اپنے پھر اشعار کہوں یا نہ کہوں

معروف کے دیوان | معروف کے دو دیوان ہیں۔ ایک دیوان (نظامی پریس بدایوں) میں زیر اہتمام شاہ عبدالحامد صاحب قادری بدایونی چھپ چکا ہے۔ لیکن دوسرے دیوان کی بابت نواب سعید الدین احمد خاں طالب نے لکھا ہے کہ وہ لوہارو کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ اور اسی دیوان میں ایک مثنوی تسبیح زمرد نامی بھی ہے۔ جسکا ذکر آگے آئیگا۔ لیکن اب ریاست لوہارو کے دیوان صاحبزادہ شمس الدین احمد خاں صاحب سے معلوم ہوا کہ دیوانِ مذکور ریاست رامپور کے کتب خانے میں ہے۔ بہر حال یہ دیوان ابھی تک چھپا نہیں، نہ ابھی اس گنج گرانمایہ سے کسی نے خوشہ چینی کی ہے۔

تسبیح زمرد | "تسبیح زمرد" ایک بےمثل شاہکار ہے۔ نواب معروف نے فنکارانہ حیثیت سے بڑی کاوش کے بعد اس کو طیار کیا ہے۔ اس مثنوی میں پانچسو شعر حضرت حسن سبز قبا کی مدح میں لکھے گئے ہیں اور صفت یہ ہے کہ ہر بیت میں التزاماً سبزہ کا ذکر ہے۔

مولانا آزاد نے نواب صاحب کی اس کاوش کو بھی اپنے استاد کی جانب منسوب کر دیا۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے جیسا کہ میں پہلے لکھ چکی ہوں۔ مثنوی میں ردیف وار ۱۰۱ مطلع ہے اور کوئی سبزی کے مضمون سے خالی نہیں ہے جن دنوں نواب معروف تسبیح زمرد کے دانے پرو رہے تھے ہر ایک سے یہی فرمائش کرتے تھے کہ کوئی محاورہ سبزی کا بتاؤ۔ ان کے بذل و کرم اور حسنِ اخلاق کی بدولت روز ان کے دولتکدے پر شرفا اور شعرا کا مجمع ہوتا تھا، ان دنوں ان کے شوق کی بدولت تمام شعرائے کرام پر سبز رنگ چھایا ہوا تھا۔ بھورے خاں شیفتہ ایک پرانے شاعر شاہ محمدی مائل کے شاگرد اور ان کے مرید تھے ان کے شعر میں ہری چگ کا لفظ آیا کہ نواب صاحب کے دھیان میں نہ آیا تھا خوش ہو کر ان کو سو روپے مرحمت فرمائے اور ان سے یہ لفظ لیکر اپنے انداز سے سجایا۔

آج یہاں کل وہاں گذرے یونہی جگ ہمیں　　　کہتے ہیں سب سبزہ رنگ ہری چگ ہمیں

لیکن افسوس اس نااہل شخص نے نواب صاحب موصوف کی ہجو کہی۔ دریادل نواب اس پر بھی ناراض نہ ہوئے تو اس محسن کش نے ان کے ایک عزیز دوست نواب حسام الدین حیدر خاں نامی کی ہجو کہی، نامی مرحوم سے نواب موصوف کو ایسی محبت تھی کہ لوگ کہتے تھے کہ ان دونوں بزرگوں میں محبت نہیں عشق ہے (اگلے زمانے کی دوستیاں ایسی ہی ہوتی تھیں) ۔ نواب معروف نے ان کی تعریف میں غزلیں کہہ کر داخلِ دیوان کی تھیں ایک مطلع ہے ؎

جو آؤ تم مرے مہماں حسام الدین حیدر خاں　　　کروں دل نذر جان قرباں حسام الدین حیدر خاں

جب ان کی ہجو بھورے خاں شیفتہ نے کہی تو نواب معروف کو سخت ملال ہوا لیکن پھر بھی اتنا ہی کہا "ہمارے سامنے نہ آیا کرو" وہ بھی سمجھ گیا، کہا لوگ ناحق بدنام کرتے ہیں، میں نے تو ہجو نہیں کہی۔ فرمایا " بس خاموش رہو اتنی مدت ہم نے زمینِ سخن کی خاک اڑائی ہے کہا تمہاری زبان بھی نہیں پہچانتے۔ بس تو اس ہجو سے بھی بدتر ہوں جو تم نے میرے لئے کہی ہے لیکن میرے دوستوں کو برا کہو اس کو میں برداشت نہیں کرسکتا"۔ پھر جیتے جی نواب معروف نے بھورے خاں کی صورت نہیں دیکھی۔

یہ ضمناً ذکر آگیا تھا نواب معروف کے شوقِ جستجو کا جس طرح انھوں نے تسبیحِ زمرد کو پرو دیا۔ اب تسبیحِ زمرد کے چند وہ اشعار نقل کئے جاتے ہیں جو ریاست رامپور کے قلمی نسخے سے لئے گئے ہیں۔

قسم ہے حق نے جب یہ گنبدِ خضرا بنایا تھا　　　تو عشقِ سبزہ رنگوں کا مرا دل گھر بنایا تھا

تھا سبز جو لطیفۂ اخفا رسول کا　　　باعث سبز رنگوں کی یہ ہے قبول کا

شب خیالِ سبزہ رنگوں میں جو دل بیتاب تھا　　　زخمِ دل پر توتیائے سبز کا تیزاب تھا

کسے تھا سبزہ رنگ اک دم بھروسا اپنے جینے کا　　　نشانی گر تری ہوتا نہ چھلا سبز مینے کا

بس کہ سبزہ رنگ ہے قاتل مرا　　　نت ہرا رہتا ہے زخمِ دل مرا

نہ پوچھو دوستو باعث ہمارے سبز بانے کا
ملا ہے سبز رنگوں سے یہ ثمرہ دل لگانے کا

مرے دل سے پوچھے شوق پھر رخ سبز رنگ کی دید کا
کبھی سبز جامہ جو دیکھے ہے کوئی چاند دیکھ کے عید کا

سبز رنگو مجھ سے پوچھو شوق اپنی دید کا
سبز جامہ دیکھنا دن ہے ہماری عید کا

بجا معروف عشق ان سبز رنگوں کا بتاتا تھا
کہ قبر اس کی جو دیکھی کیا ہی سبزہ لہلہاتا تھا

بتاؤں سبز رنگوں سے مجھے الفت ہے کس باعث
حبیبِ حق کو رنگِ سبز تھا محبوب اس باعث

سبز رنگوں پہ دلا کیوں جی گنواتا ہے عبث
ان کو پروا ہی نہیں تو زہر کھاتا ہے عبث

تاریخ وفات اور مزار | نواب معروف کا انتقال ۱۸۲۶ء میں ہوا۔ درگاہ حضرت نظام الدین اولیا میں اپنی خاندان ہڑواڑ میں دفن کئے گئے۔ مرزا غالب کا مزار نواب الٰہی بخش خاں معروف کی پائنتی ہے۔ افسوس ہے آپ کے مزار کے سرہانے کوئی کتبہ نہیں ہے۔ خاندان کی چند بزرگ ہستیوں کی بدولت یہ معلوم ہو سکا کچھ عرصہ بعد کوئی یہ جان بھی نہ سکیگا کہ اس مزار میں کیسا بےمثل شاعر اور مقدس بزرگ محوِ خواب ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار۔

سرکارِ مدینہ کی زبان
صرف چھ مہینے میں سیکھ لیجئے!

عصرِ حاضر کی معرکۃ الآرا تصنیف کلامِ عربی ایسے انقلاب انگیز تعلیمی اصول پر لکھی گئی ہے کہ آپ باآسانی بغیر استاد کی مدد کے بغیر رٹے ایک گھنٹہ روزانہ اس کا مطالعہ کر کے صرف چھ مہینے میں اتنی عربی زبان سیکھ سکتے ہیں کہ قرآن وحدیث کو سمجھ سکیں عربی اخبارات ورسائل کو پڑھ سکیں اور حسبِ ضرورت عربی زبان میں گفتگو اور خط وکتابت کر سکیں اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ قواعد زبان، ترجمہ وانشاء اور جدید وقدیم لغت سب کچھ ایک ہی کتاب میں موجود ہے

مشاہیر علماء کرام، پروفیسرانِ یونیورسٹی ومدیرانِ جرائد نے کلامِ عربی کو اس موضوع پر بہترین تصنیف قرار دیا ہے

آج ہی ایک جلد منگائیے اور قرآن وحدیث کو براہ راست سمجھ کر ایمان کی حلاوت اٹھائیے۔ کتابت وطباعت دلکش کاغذ عمدہ تقطیع متوسط صفحات (ہر دو حصہ) ۲۰۶ قیمت ایک روپیہ چار آنے رعایتی قیمت صرف ایک روپیہ چار کتابوں کے خریدار کیلئے محصول ڈاک معاف مقامی تاجرانِ کتب سے یا پتہ ذیل سے طلب فرمائیے۔

مکتبہ برہان دہلی۔ قرول باغ